ڈاکٹر محمود الحسن عارف *

نامور نعت گو شاعر، صاحب قلم، اور عہد حاضر کے سب سے بڑے خوش نویس سید انور حسین المعروف بہ نفیس رقم

ہمارا یہ مضمون ایک ایسی شخصیت کے حالات اور فنی ارتقاء پر مشتمل ہے جن کا فن اور ان کی ذات کسی تعارف یا وضاحت کی محتاج نہیں ہے، ہماری مراد ہمارے مخدوم۔ سید السادات سید انور حسین، المعروف بہ نفیس رقم، سے ہے، شاہ صاحب دراز قامت، خوب صورت، کتابی چہرہ اور اپنے نام ہی کی طرح اپنی عادات واطوار میں نفاست رکھنے والے بزرگ ہیں، آپ اس بناء پر اس حدیث نبوی کا مصداق ہی کہ: اطلبو الخیر عند حسان الوجوہ یعنی حسین چہرہ والے لوگوں کے ہاں خیر اور بھلائی تلاش کرو۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے مخدوم حسن و جمال کی تمام صفات بھی مزین ہیں اور معنوی حسن و جمال کی اوصاف سے بھی آراستہ ہیں۔

قدرت کے ایسے حسین شاہکار کے متعلق کچھ عرض کرنا...... گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، لیکن اگر ''اندھیروں بھری رات'' میں ایک چراغ بھی جلتا رہے اور وہ اپنے جیسے کئی چراغ روشن کرلے تو اس سے یقیناً تاریکیوں کا لشکر ضرور شکست کھائے گا، اس لئے سید نفیس رقم کے متعلق چند سطور لکھی جارہی ہیں:

خاندان:

شاہ صاحب کا نسبی تعلق خاندان سادات کے اس عظیم خاندان سے ہے، جس کے بزرگوں کو ''خاتم الانبیا'' نے اپنی گود میں کھلایا، خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے دودھ پلایا، اور مظہر العجائب والغرائب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی سرپرستی اور تربیت فرمائی۔ خاندان نبوت کے ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین سے جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ ''سید'' کہلاتا ہے۔

اشراف اور انجاب کے اس خاندن میں باہمی ازدواج کے سلسلے نے ایک نئی شاخ پیدا ہوئی جو ''الحسنی والحسینی'' کے نام سے معروف ہے، ہمارے مخدوم اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

---

* صدر نشین شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

حضرت خواجہ گیسودرازؒ:

ہندوستان میں سادات کی اس شاخ میں شاہ محمد گیسودراز رحمۃ اللہ جیسے نامور چشتی بزرگ پیدا ہوئے۔ شاہ صاحب کا نسب (۴) واسطوں سے سید محمد گیسودراز تک پہنچتا ہے۔ حضرت گیسودرازؒ کا نام محمد لقب صدرالدین' کنیت ابوالفتح اور عرف گیسودراز تھا۔ آپکے والد محترم ''سید یوسف راجو قتال'' تھے' آبائی وطن خراسان اور مسلک حنفی اور مشرب چشتی تھا۔ بارہویں پشت کا جدامجد ابوالحسن جندی دہلی کی فتح سے قبل مجاہدین کی ایک جماعت کیساتھ ہرات سے دہلی آئے' یہاں آکر آپ ایک معرکے میں شہید ہوگئے۔ شاہ ابوالحسن جندی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس زمانے میں ہندوستان میں وارد ہوئے جب ابھی ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کا دور شروع نہیں ہوا تھا۔ انکی اس عظیم شہادت سے' فتح ہند سے پہلے کی' ان متفرق کوششوں کا اشارہ ملتا ہے' جن کا ذکر کسی تاریخ میں موجود نہیں ہے (برگ گل)

آپ کے والد سید یوسف'' حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے مرید تھے' وفات ۷۳۱ھ/ ۱۳۳۰ء میں ہوئی۔

خواجہ محمد گیسودراز دہلی میں ۷۲۱ھ یا ۷۲۳ھ میں پیدا ہوئے' ابتدائی تعلیم اپنے والد اور نانا سید علاؤ الدین میر میراں کے مرید شیخ نظام الدین بدایونی سے پائی۔ لڑکپن سے ہی نہایت متقی اور صوم صلوۃ کے پابند تھے۔ عمر کے سولہویں سال میں خواجہ نصیرالدین روشن چراغ دہلی کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور اپنے پیر کامل کی نگرانی میں تمام ضروری مجاہدے اور ریاضتیں مکمل کیں۔

۱۹ سال کی عمر میں نامور علماء اور فقہا سے علوم عصریہ میں تکمیل کی سند حاصل کی اور علوم باطنی میں مدارج اعلیٰ طے کئے' اپنی وفات سے چند روز قبل ۷۵۷ھ میں خواجہ روشن چراغ دہلویؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز کیا' اور پھر بالآخر چالیس سال رشد و ہدایت کے کام میں بسر فرمانے کے بعد' ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ (یکم نومبر ۱۴۲۲ھ) میں انتقال فرمایا اور گلبرگہ میں' جو دہلی سے چالیس میل دور ہے' مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد گیسودراز کی ۱۰۵ کے قریب تصانیف ہیں' جو علوم اسلامیہ کے مختلف موضوعات پر آپ نے تصنیف فرمائیں۔ جس میں سے چند طبع ہوچکی ہیں' اور بیشتر ابھی مخطوطات کی شکل میں ہیں' ہمارے مخدوم سید نفیس شاہ صاحب کے والدین اسی خاندان کے تعلق رکھتے ہیں۔

ولادت: شاہ صاحب کے مورث اعلیٰ شاہ حفیظ اللہ حسینی گلبرگوی ۱۳۱۴ھ میں دکن سے نقل مکانی کر سیالکوٹ میں وارد ہوئے' وہ سیالکوٹ کے نواح میں مدفون ہیں۔

سیالکوٹ بڑا مردم خیز شہر ہے' اس کی خاک ملا عبدالحکیم (استاد اورنگ زیب عالمگیر) مولانا محمد افضل سیالکوٹی (استاد شاہ ولی اللہ و مرزا مظہر جانجاناں شہید العلوی) اور شاعر مشرق علامہ اقبال جیسے لوگوں نے جنم لیا۔

آپ کے والد محترم سید محمد اشرف علی بن سید بدھی شاہ بن سید محمد شاہ الحسینی الیسالکوٹی تھے' جو سیالکوٹ کے

ممتاز اہل علم میں سے تھے' آپ اپنے دور میں خط نستعلیق اور خط نسخ کے ماہر خوش نویس تھے کہ آپ کے دست مبارک سے کتابت شدہ کئی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں' لیکن آخری عمر میں صرف قرآن کریم کی کتابت فرماتے تھے' انہی سید محمد اشرف کے ہاں شاہ صاحب کی ولادت ماہ ذوالقعدہ ۱۳۵۱ھ/ ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت قصبہ بھوپانوالہ کے ہائی سکول سے اور اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی' خالق ازل کچھ لوگوں کی فطرت ایسی بناتا ہے کہ انؒ تعلیم وتربیت کے لئے ''حرف ومعنی'' کے پابند نہیں ہوتے یہ لدنی یا وھبی علم کالج یا مدرسے یا استاد کی نظر عنایت کا محتاج نہیں ہوتا۔ آپ بھی ایسے ہی بزرگوں میں شامل ہیں' اسی لئے اگرچہ آپ کے حصول علم کی راہ سکول وکالج کی تھی' مگر آپ کا رخ ''سوئے حرم'' ہی تھا۔

سیالکوٹ کے تعلیمی اداروں میں میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۷ء میں فیصل آباد میں اپنے ماموں کے ہاں چلے گئے جو مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد اور مشہور فاضل شخص تھے' وہاں آپ نے ''گورنمنٹ کالج'' میں سال اول میں داخلہ لیا' یہاں آپ کا قیام محلہ گجراں میں رہا جو ایک قدیم بستی ہے گورنمنٹ کالج' سے جسے اس وقت یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہو چکا ہے' آپ نے ایف۔اے امتیازی نمبروں میں پاس کیا۔

اس دوران میں انہوں نے اپنے والد سے خوش نویسی کی مشق جاری رکھی۔ بعد ازاں آپ لاہور منتقل ہوگئے۔ لاہور میں ابتداً چند ماہ ''روز نامہ احسان'' اور پھر ''نوائے وقت'' میں بحیثیت سرخی نویس خطاط پانچ برس کام کیا' اور خوشنویسی کو بطور شغل اختیار کرلیا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے مزید تعلیم کیلئے پنجاب یونیورسٹی ''اوری اینٹل کالج لاہور'' میں منشی فاضل کی کلاس میں داخلہ لے لیا۔ اس زمانے منشی فاضل کی کلاسیں اورینٹل کالج میں ہوتی تھیں اور ان کلاسوں کو نامور علماء اور ماہر ادیب پڑھاتے تھے۔ اورینٹل کالج نے آپ کو ایک کم گو خاموش طبع' محنتی' ذہین اور کام سے کام رکھنے والا طالب علم پایا' اس زمانے میں آپ کے ایک استاد ڈاکٹر عبادت بریلوی اس زمانے کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قیام پاکستان کے بعد ایک طالب علم اورینٹل کالج میں داخل ہوئے اور انہوں نے باقاعدگی سے اردو زبان وادب کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ وہ عربی فارسی جانتے تھے' لیکن اردو زبان وادب کا باقاعدہ مطالعہ کرنا چاہتے تھے' مجھ سے کئی دفعہ ملے تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اردو ادب کے سنجیدہ طالب علم ہیں اور ادب کے مطالعے کا انہیں شوق ہے' یہ تھے سید انور حسین شاہ! خوبصورت' خوش شکل' دراز قد' دبلے پتلے' کتابی چہرہ' گندمی رنگ' داڑھی مونچھیں صاف' سر پر انگریزی بال' شیروانی اور شلوار میں ملبوس۔ وہ مجھے ایک جاذب نظر اور دل آمیز شخصیت کے مالک نظر آئے۔ یہ زمانہ ان کی جوانی کا زمانہ تھا' اس وقت ان کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں تھی' لیکچروں میں باقاعدگی سے آتے تھے' طالب علموں سے زیادہ ملتے جلتے نہیں تھے' عام طور پر خاموش اور سنجیدہ رہتے تھے' استادوں کی عزت کرتے

تھے‘ شرم وحیا کا پیکر تھے‘ دوسرے طالب علموں کی طرح استادوں سے زیادہ ملتے جلتے نہ تھے‘ لیکچروں میں شریک ہوتے تھے۔ اوراس کے بعد گھر چلے جاتے تھے۔ (آہوانِ صحرا‘ ص ۹۳۔)

دینی علوم کی تحصیل:

چونکہ آپ کا خاندان مذہبی پس منظر کا حامل ہے‘ علوم دینیہ آپ کے اجداد میں کئی پشتوں سے متوارث رہا ہے‘ خود آپ کے والد محترم ایک عالم باعمل اور صالح بزرگ تھے‘ اس لئے آپ بھی بچپن سے ہی نیک سیرت‘ اور ''صاحب خصال حمیدہ'' واقع ہوئے ہیں۔ کالج میں آپ کے اساتذہ کا اعتراف حقیقت اس کی بخوبی عکاسی کرتا ہے۔ دینی کتب کے ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے باقاعدگی سے کسی دینی مدرسے میں تعلیم حاصل نہیں کی‘ بلکہ آپ نے جستہ جستہ کتابیں پڑھی ہیں‘ جیسا کہ محمد حسین تسبیحی صاحب لکھتے ہیں:

لیکن بایں ہمہ اکتفانہ کرد و زانوائے ادب در پیش کتب علمی دینی وفقہ واصول و تفسیر و حدیث‘ تجوید و قرأت بسر زمین زد و آں قدر خواند تا فہمید کہ چہ چیز باید بخواند۔ یعنی انہوں نے دنیوی تعلیم پر اکتفا نہیں کیا‘ بلکہ دینی علوم مثلاً فقہ‘ ''تفسیر'' حدیث اور تجدید وقرأت پڑھنے کے لئے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا‘ تاکہ آپ یہ جان جائیں کہ کیا کچھ پڑھنا چاہیے۔

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی مسائل میں جو شعور عطا فرمایا ہے وہ آپ کے وسیع علمی مطالعے‘ علماء سے ذاتی استفادے کے علاوہ خصوصی عطیہ خداوندی کا مظہر ہے۔

فیض تربیت باطنی:

شاہ صاحب کی یہ حسن سعادت تھی کہ انہیں قلب وذہن کے تزکیے اوران کی تطہیر کے لئے جس شخصیت کی سرپرستی میسر آئی وہ اپنے دور کی ہی نہیں‘ بلکہ تاریخ کی ایک قد آور اور عبقری شخصیت ہے ک جس کی مثالیں بہت کم دیکھنے میں ملتی ہیں‘ یہ شخصیت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ العزیز کی تھی‘ جو اپنے عہد کے بلاشبہ قطب دوران تھے جس کے ''فیوض باطنی'' نے لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں صالح انقلاب برپا کیا۔

قیام پاکستان کے بعد بھی اگرچہ شاہ عبدالقادر رائپوری ہندوستان کے قصبے ''رائپور'' میں ہی رہائش پذیر رہے‘ لیکن پاکستان میں ان کا دورہ اور قیام اتنا طویل ہوتا تھا کہ ایسے لگتا تھا جیسے پاکستان ہی آپ کا ''وطن'' ہو چنانچہ شاہ صاحب نے یہیں آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی‘ یہ زمانہ شاہ صاحب کے عین شباب کا تھا۔

خود شاہ صاحب نے ایک مجلس میں اس کی تفصیل یوں بیان کی:

میں اس زمانے (نواح ۱۹۵۵) میں نوائے وقت لاہور میں شعبہ خوش نویسی کے ساتھ منسلک تھا‘ میرے

ساتھ ایک اور بزرگ بھی کام کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے مجھے بتایا کہ لاہور میں ہندوستان کے ایک بڑے بزرگ تشریف لا رہے ہیں، چنانچہ میں نے جا کر حضرت شیخ کی زیارت کی تو دل میں بے پناہ کشش محسوس کی، مگر بیعت کا اتفاق ۱۹۵۷ء (۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ) میں ہوا، جب میں نے نوائے وقت کی ملازمت چھوڑ دی تھی۔

یہ اس تعلق کی ابتداء تھی، اس کے بعد یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا، اور زندگی کے سارے اطوار بدل گئے، اس زمانے میں شاہ صاحب کی بیٹھک چٹان کے دفتر میں ہوتی تھی، حضرت شیخ جب بھی یہاں تشریف لاتے آپ زیادہ تر وقت ان کیساتھ بسر کرتے، اور شیخ کامل کی معیت اور سرپرستی سے مہینوں کے قافلے دنوں میں اور دنوں کے منٹوں میں بسر ہوتے

بعدازاں یہ تعلق اتنا بڑھا کہ آپ اپنے مرشد کامل کی نگرانی میں منازل سلوک طے کرنے کیلئے نہ صرف پاکستان میں ان کے ہمراہ رہتے تھے، بلکہ ہندوستان جا کر بھی ''رائپور'' میں تادیر قیام پذیر رہتے۔

حضرت رائپوری قدس سرہ العزیز کے اس تعلق نے آپ کی ذات کو منبع فیوض و برکات بنا دیا اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ بہت جلد مرشد کامل نے آپ کو ''خلافت و اجازت'' عطا فرما دی، چنانچہ آپ کا شمار حضرت رائپوریؒ کے ''بڑے خلفا'' میں ہوتا ہے۔

آپ اس تعلق کی بدولت جذب وجنون کی دولت بیش بہا سے مالا مال ہوئے، اس جذب وجنون ہی کی بناپر آپ کو بار بار حرمین کی حاضری ہو چکی ہے۔ کئی بار حج کے لئے گئے۔ رمضان المبارک کے کئی مہینے آپ نے دیار حبیب ﷺ میں گزارے۔ پاکستان اور ہندوستان کے اولیاء اللہ کے مزاروں پر بھی حاضری دی اور کئی دفعہ خاصا وقت انہوں نے حیدرآباد دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی درگاہ میں بھی گزارا اور جب بھی وہاں سے آئے، تو خواجہ صاحب کی ایسی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف اپنے ہمراہ لائے جو اب کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہوتیں۔ (آہوان صحرا، ص ۹۸)

شاہ صاحب اسم بامسمیٰ ہیں، آپ نے اپنے نام کی طرح واقعی نفیس طبیعت پائی ہے، اسی لئے جس طرح آپ کا ''اشہب قلم'' اردو، فارسی، اور عربی کی کتابت میں دوڑتا ہے، اس سے زیادہ آپ کی طبیعت تصوف اور روحانیت کے کاموں میں رواں دواں رہتی ہے، فی الوقت آپ کا شمار حضرت رائپوریؒ قدس سرہ کے جلیل القدر خلفاء میں ہوتا ہے۔

آپ کی مجلس اہل علم وتحقیق کا مرجع ہے، پاکستان بھر کے محققین مختلف موضوعات پر مواد کی تلاش وجستجو کے لئے آپ کے در دولت پر حاضری دیتے اور شادکام ہو کر جاتے ہیں۔

<u>شاعری:</u> اوپر گزر چکا ہے کہ اللہ نے آپ کو انتہائی موزوں اور نفیس طبیعت سے مالا مال کیا ہے، اسی لئے آپ دنیائے اسلام کے عظیم ترین خوش نویس اور بے مثل و بے عدیل عالم اور مربّی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے شاعر بھی ہیں، مگر آپ کی شاعری ''الشعراء یتبعھم الغاوٗن'' کے زمرے میں نہیں آتی بلکہ ''الا الذین امنوا وعملوا الصالحات (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے) کا ہی ''پرتو'' ہے۔

عربوں کے ہاں ایک ضرب المثل ہے کہ ''الشعراء تلامیذ الرحمان'' (شعراء اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہوتے ہیں) اس ضرب المثل کا اور کوئی مصداق ہو یا نہ ہو مگر ہم شاہ صاحب کو بدرجہ اتم اس کا مصداق قرار دے سکتے ہیں' نہ صرف اس لئے کہ آپ کی شاعری ''کوچہ یار'' کے گرد نہیں گھومتی' بلکہ اس میں عشق حقیقی کی تجلیات اور اسکے جلوے بدرجہ اتم نظر آتے ہیں' بلکہ اس لئے بھی کہ آپ نے شاعری میں کسی ''استادِ سخن'' سے نہ کبھی اصلاح لی اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ اور نہ کبھی مشاعرہ میں شرکت کی' بلکہ قدرت نے آپ کو یہ ملکہ عطا فرمایا' کہ آپ براہ راست ''منبع صدق وصفا'' سے مستفید ہوئے ہیں۔ غلام نظام الدین آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''نفیس رقم'' نے جب سے اپنے آپ کو عام خطاطوں کی جماعت سے نکال کر عارفین سالکین کے مقدس گروہ میں ڈال لیا ہے' ان کے سیہ باطن کو ''روح القدس'' کی اعانت وحمایت حاصل ہے' اور ان کے ہاں جمالیاتی رسائیوں کا احساس شدید تر ہو گیا ہے' اب ان کی نستعلیق میں فن جزالت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حسنِ حقیقی کے جلوے ان کے دائروں میں موج در موج منعکس ہو رہے ہیں۔ (غلام نظام الدین: فنکار سے ملیے' پندرہ روزہ ''نیا پیام'' لاہور (ص ۲۴) ۱۵ جون ۱۹۸۱)

شاہ صاحب میں شاعری کا جذبہ پیدائشی اور فطری ہے' آپ ابھی انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے کہ اسی وقت سے آپ نے ''سید انور زیدی'' نے نام سے شعر گوئی شروع کر دی تھی' ابھی آپ وہاں سال اول کے طالب علم تھے کہ آپ کا نعتیہ کلام کالج کے ادبی میگزین میں شائع ہوا اس وقت عمر پندرہ برس تھی..... اس وقت کا کہا ہوا سلام..... بڑا زوردار اور پرتاثر ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

سلام اے شمع روشن' چشم عبداللہ کی بینائی
زمانہ تجھ پہ قربان ہے' فرشتے تیرے شیدائی
تیری آمد سے رونق آ گئی گلزار ہستی میں
عنا دل چہچہا اٹھے بہار آئی بہار آئی
تیری رحمت کے دامن کی ہے لامحدود پہنائی

اس دور میں' جب آتش جواں تھا۔ زیادہ تر غزلیں کہی گئیں لیکن چونکہ وہ دور ابھی شعور میں پختگی کا محتاج تھا' جو وقت کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے پیدا ہوئی' اس لئے اس دور کی کہی ہوئی بیشتر غزلیں ان کے حال ہی میں شائع ہونے والے مجموعے برگ گل میں جگہ نہ پا سکیں۔

اس دور میں آپ نے کچھ نظمیں بھی کہیں' جن میں سے بطور مثال ۱۸ ستمبر ۱۹۵۱ء کو کہی گئی نظم کا ذکر کیا جا سکتا ہے' جو ''حکیم مشرق لائلپور کے شمارہ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں سید انور زیدی کے نام سے طبع ہوئی۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:

دلوں میں حکمت قرآن لئے ہوئے اٹھو
جلال بوذرؓ و سلمانؓ لئے ہوئے اٹھو
وہ ہند دعوت یلغار دے رہا ہے تمہیں
رگوں میں خون شہیداں لئے ہوئے اٹھو
تمہارے دین کی ظلمت ہے چوٹ کھائے ہوئے
جگر پہ داغ نمایاں لئے ہوئے اٹھو
اٹھو غبارِ زمانہ کو اپنے زیر کرو
یہ کام ایسا نہیں ہے کہ اس میں دیر کرو

شاہ صاحب کی شاعری کا کوئی مجموعہ مدتوں شائع نہیں ہوا (برگ گل حال ہی میں طبع ہوا ہے) اس تاخیر کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کی طبیعت میں اسلام کی طرح ''اخفائے حال'' کمال درجے کا ہے' اکثر اوقات آپ کلام سنانے کے بعد اپنا نام بھی نہیں بتاتے' چنانچہ غلام نظام الدین صاحب بیان فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ لاہور کے ایک کیفے میں شاہ صاحب یوسف سدیدی اور راقم الحروف اکٹھے چائے پی رہے تھے' شاہ صاحب نے مختلف شعراء کا کلام سنایا' پھر ایک رباعی بے حد پسند کی گئی' لیکن فرمائش کے باوجود شاہ صاحب نے شاعر کا نام نہ بتایا اور یہی کہتے رہے' بس کسی کی ہوگی' میں سمجھ گیا کہ اس نکرہ میں انتہائی معرفہ پن ہے' جب میں نے اصرار سے کہا کہ رباعی یقیناً آپ ہی کی ہے' تو انہوں نے تسلیماً ہلکا سا تبسم کیا اور آپ کی آنکھوں میں ایک پرمسرت چمک آ گئی' لیکن خاموش رہے (فنکار سے ملیئے' ص ۲۴)

ابتدائی دور میں شاہ صاحب اس موقع پر شاعری کرتے جب کوئی خوشگوار یا ناخوشگوار موقع آپ کے خیالات میں تموج یا تہیج پیدا کر دیتا تو آپ کے اندر موجود بحر معانی اشعار کا روپ دھارنے کیلئے بیتاب ہو کر باہر نکل پڑتا' مثال کے طور پر ۱۹۶۲ء میں آپ کے پیر و مرشد شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ کا وصال ہوا تو آپ کے جذبات میں ہلچل پیدا ہوگئی اور اس موقع پر آپ نے ایک پر درد اور پرسوز المیہ نظم کہی' جسے عرف عام میں مرثیہ کہا جاتا ہے اس میں آپ نے چھوٹی بحر منتخب کی ہے اور حروف علت (ا ' و ' ر) کا تکرار ملتا ہے' جس سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے غم ایک ایک قطرہ بن کر ٹپک رہا ہو اور آہوں اور سسکیوں کا ایک دھواں فضا کو مرتعش کر رہا ہو' آپ فرماتے ہیں:

اے غم جاناں اے غم جانم — دل ہے پر خون آنکھیں پرنم
اللہ ان کا عالم — عشق سراپا حسن مجسم
قطب زمانہ غوث یگانہ — رشک جنید و شبلی و ادھم

لاکھوں دلبر لیکن پھر بھی تیرا عالم، تیرا عالم
فانی فی اللہ باقی باللہ ختم ہے انہی پر ان کا عالم
جامع سنت قاطع بدعت نائب حضرت فخر دو عالم
عسکری اصحاب محمد لشکری پیغمبر خاتم
تجھ سا نہ دیکھا تجھ سا نہ پایا اتر دکھن 'پورب' پچھّم
حسب تکلم، رنگ تبسم غم کا مداوا زخم کا مرہم
گاہ اشارہ گاہ کنایہ مجمل مجمل، مبہم مبہم
نورشریعت فیض طریقت جاری ساری باہم باہم
سوز مروت لحظہ لحظہ درد محبت پیہم پیہم
دنیا دنیا ، عقبی عقبی عالم عالم تیرا ماتم

(فنکار سے ملئے، ص ۲۵)

آپ کے دوسرے مضمون اور غزلیات پر بھی یہی رنگ غالب ہے۔

شاعروں میں شاہ صاحب بہت تیزی سے منزلیں طے کرر ہے تھے اور دل کی وارداتیں حسین الفاظ سے مجسم ہو کر سننے والوں کے دل موہ رہی تھیں، کہ اسی اثنا میں شاعرانہ جذبات پر مہر وشفقت کا سایہ لہرا گیا، اور جذبات کی رو کے ساتھ آگے بڑھنے والی شاعری کو بریک سا لگ گیا۔

ہوا یوں کہ جب شاہ صاحب...... شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو ایک روز حضرت رائپوریؒ نے فرمایا: شعر کا ذوق بھی ہے؟ عرض کیا حضرت بہت زیادہ ذوق وشوق ہے۔ فرمایا: جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ خوب رونق اور چہل پہل ہو، مگر جب وصال کا لمحہ آ پہنچتا ہے، تو اپنے اور محبوب کے درمیان کسی غیر کا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ سنتے ہی میری ذہنی کیفیت ہی بدل گئی۔ طبیعت میں وہ جوش وخروش نہ رہے، اب شعر گوئی کا ذوق تو باقی رہا گیا ہے، مگر شوق بالکل جاتا رہا اور شاید ہی کوئی نعت یا نظم موزوں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ذوق شعری بخشا ہے، آپ نے اس کا بھرپور استعمال نعت گوئی اور منقبت گوئی میں کیا ہے، آپکی شاعری کا من پسند موضوع نعت رسول مقبول ہے۔ مثلاً ایک نعت میں آپ فرماتے ہیں:

عطا قدموں میں ہو دائم حضوری یا رسول اللہ
ہے اب ناقابل برداشت دوری یا رسول اللہ
عنایت ہو اگر اک لمحہ اپنی خاص خلوت کا

مجھے اک عرض کرنی ہے ضروری یا رسول اللہ
اجازت ہو تو کچھ چشمان تر سے بھی بیان کرلوں
ابھی ہے داستان غم ادھوری یا رسول اللہ
میری غایت تمنا ہے درِ اقدس کی دربانی
زہے عزت اگر ہو جائے پوری یا رسول اللہ
مدینے میں ہی آکر راحت و تسکین پاتی ہے
دل فرقت زدہ کی ناصبوری' یا رسول اللہ
دم رخصت نفیس اشکون سے ترہے رحم فرماؤ
خدارا اک جھلک ہلکی سی نوری یا رسول اللہ

یہ نعت شائع ہوئی تو اس کے ساتھ چوکھٹے میں یہ سطور بھی تھیں۔

''یہ درماندہ مواجہ شریف پر حاضر خدمت اقدس ہوا فوراً ہی ایک شعر وارد ہوگیا بعد میں تدریجاً مدینہ منورہ ہی میں اور شعر بھی ہوگئے' آخری شعر رخصت کے وقت ہوا۔ (نفیس)

مندرجہ بالا نعت جس پس منظر میں کہی گئی وہ جاننے کے بعد یقیناً اس کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے' آپ یہ نعت ایک بار پھر پڑھ لیجئے' (پروفیسر خالد بزمی: سید نفیس الحسینی' درسالنامہ محفل' لاہور ۱۹۸۹ء ص ۶۵)

شاہ صاحب سید نفیس الحسینی مدظلہ العالی کی بعض نعتوں کا مجموعہ ''برگ گل'' کے عنوان سے طبع ہو چکا ہے۔

اس مجموعے کی رو سے آپ نے حمد باری' نفائس النبی ﷺ' مناقب' شعر الفراق' اذن جہاد' مینائے غزل' فنائس اور صریر قلم کے عنوان سے بہت عمدہ اور خوب صورت نظمیں اور نعتیں کہی ہیں۔ خصوصاً نعتوں میں آپ کا اسلوب ایسا ہے کہ ہر نعت بار بار پڑھنے اور گنگنانے کو جی چاہتا ہے مثلاً ایک نعت ملاحظہ فرمائیے۔

چھا رہی ہے گھٹا مدینے کی — آ گئی رت پلانے پینے کی
زندگی اس کی' موت اس کی ہے — خاک ہو جائے جو مدینے کی
مئے افرنگ میں وہ بات کہاں — لامرے واسطے مدینے کی
ختم ہے سلسلہ نبوت کا — مہر ہے ہاشمی نگینے کی
ہفت قلزم کے موتیوں سے گراں — بوند اک اک ترے پسینے کی

.....

ملائک ساتھ ہیں دامن سنبھالے — حرا سے آرہے ہیں کملی والے

چہار آفاق مجھ پر ہو گئے تنگ مجھے تو اپنی کملی میں چھپا لے
زہے چشم فسون ساز محبت پرائے کو بھی جو اپنا بنا لے
بہار آئی ہے غنچے کھل رہے ہیں مرے دل تو بھی دو دن مسکرا لے

نفیس صاحب کی نعتوں میں اس انداز کے اشعار بھی ملتے ہیں جس کا اپنا ایک لطف ہے

ہاں! ساقی کوثر سے صبا! عرض یہ کرنا ایک رندِ سیہ مست بہت یاد کرے ہے
یہ عاشق بے نام ہے مشتاق زیارت دن رات ترے ہجر میں فریاد کرے ہے
اے بادِ صبا! راہ راہ تیری دیکھ رہا ہوں اب آ کے سنا جو بھی وہ ارشاد کرے ہے

آپ کی بعض نعتوں میں جو آمد' اور واردات قلبیہ کی جس طرح عکاسی ہوتی ہے' وہ اپنی مثال آپ ہے'

دنیا سیپ محمد موتی ﷺ اس بن دنیا کیسے ہوتی ﷺ
مقصودِ کونین محمدؐ مطلوب دارین محمدؐ اس بن دنیا کیسے ہوتی ﷺ
کاش مرے محبوب کی دھرتی مجھ پر نفیس شفقت کرتی اپنے اندر مجھ کو سموتی ﷺ

آپ نے فراق' غزل اور دوسرے عنوانات پر بھی بڑی عمدہ شاعری کی ہے' جس سے بلاشبہ دل و دماغ معطر اور منور ہو جاتے ہیں' آپ کی شاعری شاہد و شراب کی شاعری نہیں ہے' آپ کی شاعری سچے اور سچے لفظوں اور انسانی زندگی کے گہرے سمندروں کی شاعری ہے۔ آپکی شاعری کے سوتے آپ کے دل و دماغ اور آپ کے حالات و واقعات سے پھوٹتے ہیں' آپ نے اپنے جذبوں کو زبان عطا کی ہے' اور اپنی سوچوں کو شاعری کا رخ عطا کیا ہے۔

شاعری زیادہ تر آمد پر مشتمل ہے' کسی کسی جگہ البتہ آورد بھی ہے' لیکن بہت کم ہے' جن جن موقعوں پر اشعار کہے گئے ہیں وہ سب تاریخی موقع ہیں' سکردو کے سفر میں مضمون نگار آپ کے ہمراہ تھا' ہوائی جہاز راولپنڈی سے اترا۔ راستے میں جب کوہ دمن کے اوپر سے گزرا' تو آپ پر کیفیت طاری ہوگئی' اور آپ نے یہ اشعار نظم کیے:

دریا جو بہہ رہا ہے سبحان تیری قدرت ہر قطرہ کہہ رہا ہے سبحان تیری قدرت
جو بار اٹھا سکے نہ ارض و جبال و افلاک انسان سہن رہا ہے سبحان تیری قدرت (سفر/۱۴۱۷ھ/۱۹۹۲ء)

پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ میں حاضری ہوئی مواجہہ شریف پر' جذبات نے نعت کی صورت اختیار کرنا شروع کیا' اور ''عطا قدموں میں ہو دائم حضوری یا رسول اللہ'' نظم ہوگئی' اسی طرح ۱۹۹۱ء میں دوبارہ حاضری ہوئی تو ''اللہ اللہ محمد ترا نام اے ساقی'' نظم ہوئی' اسی طرح مختلف بزرگوں اور اپنے شیخ کی وفات پر پر درد نظمیں کہی گئیں ہیں۔ یہ سب سچے جذبوں کی داستانیں ہیں۔

<u>خوش نویسی اور اس میں آپ کا مقام:</u> شاہ صاحب کے والد محترم سید محمد اشرف علی اپنے وقت کے خط نستعلیق

کے نامور خطاط اور خوش نویس تھے' ان کے کتابت کردہ قرآن مجید اور دینی کتب کے نسخے اس زمانے میں سنگی طباعت سے آراستہ ہوئے اور چند کتب کو جدید اشاعت کے طریقے پر بھی شائع کیا گیا۔

اس طرح' کتابت کا فن آپ کی خاندانی میراث ہے' آپ نے اسی فن کی گود میں آنکھ کھولی' اسی نے آپ کی پرورش کی' اسی کی چھاؤں آپ پر سایہ پدری بن کر ضوء فگن رہی' جن دنوں آپ اورینٹل کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ان دنوں میں بھی آپ ایک پختہ فکر'' کاتب'' تھے اور آپ کے ہم سبق آپ کے اساتذہ اس پر متعجب ہوتے تھے' چنانچہ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں: ''میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہیں' کہاں رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں' لیکن جب دسمبر امتحان ہوا اور میں نے ان کی امتحان کی کاپی دیکھی تو میں انکے خط کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا' میرے دل میں یہ معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی کہ خط میں یہ حسن و جمال ان کے پاس کہاں سے آیا ہے اور یہ فن انہوں نے کن سے سیکھا ہے' چنانچہ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

''میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہیں' کہاں رہتے ہیں' اور کیا کرتے ہیں۔ لیکن جب دسمبر امتحان ہوا اور میں نے ان کی امتحان کی کاپی دیکھی تو میں ان کے خط کی خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میرے دل میں یہ معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی کہ خط میں یہ حسن و جمال ان کے پاس کہاں سے آیا ہے اور فن انہوں نے کن سے سیکھا ہے' چنانچہ ایک دن میں نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی امتحان کی کاپی انہیں دکھا کر پوچھا' ایک طالب علم کا خط اتنا خوبصورت نہیں ہوسکتا۔ یہ فن آپ نے کس سے سیکھا ہے؟ کہنے لگے' میرے خط میں کوئی خاص بات نہیں ہے' آپ کا حسن ذوق اور حسن نظر ہے' ویسے میں پیشے کے اعتبار سے خوش نویس ہوں' کتاب کرتا ہوں' میرے والد بھی کلام پاک کی کتابت کرتے ہیں' وہی میرے استاد ہیں۔ میں نے انہی سے سب کچھ سیکھا ہے میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں تخلیق کی ایسی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں جو کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ میں آپ کے فن سے بہت متاثر ہوا ہوں یہ کہہ کر میں نے دوسروں کو ان کی کاپی دکھائی اور اس طرح سارے کالج کو اس کا علم ہو گیا کہ ایک ماہر فن ان کے کالج کا طالب علم ہے۔ (آھوان صحرا' ص ۹۴)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' شاہ صاحب نے کسی بھی نامور خطاط کی شاگردی اختیار نہیں کی' بلکہ جو کچھ سیکھا' اپنے والد محترم سے سیکھا اور اس فن میں اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالقادر رائپوری کی روحانی فیوض و برکات نے روحانی اثر و نفوذ پیدا کیا' اسی لئے ان کے خط میں ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ساتھ ایک معنوی اور روحانی حسن و جمال میں بدرجہ اتم موجود ہے' اسی لئے آپ کے خط کی کشش دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہو کر اپنا اثر دکھاتی ہے۔

شاہ صاحب کی کتابت پر نصف صدی کا زمانہ گزرنے والا ہے' اس عرصے میں ملکی میدان سیاست سے لے کر آپ کی اپنی زندگی میں کئی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ آپ شروع میں نوائے وقت میں ملازم ہوئے اور بانی نوائے

وقت حمید نظامی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ آپ نے ایک مرتبہ بتایا کہ آپ نوائے وقت کے موجودہ چیف ایڈیٹر مجید نظامی کے نکاح میں شریک تھے' جو مفتی محمد حسین بانی جامعہ اشرفیہ نے پڑھایا تھا۔ بعدازاں آپ نے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ پھر ایک زمانے تک شورش کاشمیری کے ہفت روزہ چٹان کے دفتر کی بالائی منزل پر کرایہ پر کمرہ لے کر اس میں بیٹھتے رہے' اسی زمانے میں آپ نے روحانی منازل کی تکمیل فرمائی اور آپ کی کتابت کے حسن و جمال کی شہرت ملک میں چار سو پھیلی اور آپ کی خوش نویسی کا شہرہ دور دور تک پھیلا۔

بعدازاں مولانا حامد میاں مرحوم نے جو راقم الحروف کے استاد اور وقت کے ایک جید عالم دین تھے' آپ کو ''جامعہ مدنیہ'' کریم پارک میں ایک کمرہ دے دیا' اور اس طرح یہاں ایک عرصے تک محفل سجتی اور روحانیت بٹتی رہی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے دولت خانے ۲/۱۸۸ نفیس منزل (کریم پارک) میں فیوضات ظاہری اور باطنی کیلئے بیٹھنا شروع کر دیا اور بحمد للہ یہ سلسلہ اب تک جاری و ساری ہے' حال ہی میں ''سبزہ زار'' کے حافظ ٹاؤن میں شاہ صاحب کے لئے ایک خانقاہ کی تاسیس کی گئی ہے' جس میں آپ ہر جمعرات کی رات سے جمعہ کی نماز تک قیام کرتے ہیں۔

آپ کے فن کتابت کے متعلق کچھ عرض کرنا اگرچہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے' لیکن رسم زمانہ کو نبھانے کے لئے کچھ نہ کچھ عرض کرنا پڑ رہا ہے' ورنہ حقیقت وہی ہے جسے یوں بیان کیا گیا ہے:

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید (خوشبو وہ ہے جو خود مہکے وہ نہیں جسے عطار بتلائے کہ یہ خوشبو ہے)

شاہ صاحب کے تحریری شہ پارے اپنی داستاں آپ کو خود سنائیں گے' آپ کے فن پارے ان کے نوک پلک درست کرنے والی شخصیت کی مہارت و مزاولت کی حقیقت خود بیان کریں گے۔ البتہ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم آپ کے فن کے متعلق چند اہل قلم کی آراء پیش کریں۔

نامور ادیب اور فاضل محمد حسین تسبیحی لکھتے ہیں:

ہر کس کہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان را مطالعہ میکند با نام مولانا سید انور حسین نفیس رقم آشنا است' آقائی نفیس رقم یکے از خوشنویسان و خطاطان مشہور و ماہر و زریں دست و خوش قلم است'' استاد نفیس رقم بالکلیہ اقلام خطوط اسلامی کہ از صدر اسلام تا امروز بہ وجود آمدہ است میتواند خوشنویسی میکند و ہرگاہ بہ دقت در خوشنویسی آقای ایشان را یک نقاش ماہر و چرب دست بہ حساب بر آوردیم۔ (مضمون ''استاد نفیس رقم'' در پارس شمارہ ۳۹۵۵' دوشنبہ بیست و نہم دی' ۱۳۴۵ھ ش) اسی طرح غلام نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

دس سال پیشتر ایک کیلینڈر میری نظر سے گزرا' اس پر غالب کا یہ شعر جلی قلم سے لکھا تھا:

''نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن''

شعر اتنا خوشخط تھا کہ حرفوں کی نشست اور ساتھ ہی ایک پرندے کی مغموم مگر معصوم صورت نے مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جس میں حزن و یاس اور حسرت وافسردگی کا غلبہ تھا' شاعر کے فکر و خیال کو خطاط نے اپنی قلمی اپچ سے اس قدر حسین و جمیل پیکر بخشا کہ وہ ان کی چشم وسعت کے آگے تنگ نظر آنے لگا۔ اس فن پارے کے جلال و جمال سے عرصہ تک دل محظوظ ہوتا رہا' تا آنکہ ایک دن میرے دوست حافظ محمد یوسف سدیدی میرے پاس تشریف لائے' غالب کا شعر سامنے والی دیوار پر آویزاں تھا' میں نے سدیدی صاحب سے اس کی تفصیل چاہی انہوں نے بتایا کہ یہ شعر سید نفیس رقم نے کتابت کیا ہے۔ (نظام الدین پندرہ روزہ پیام' ص ۲۳)

یہی مضمون نگار اپنے ایک دوسرے مضمون میں شاہ صاحب کی عظمت کے تحت فرماتے ہیں:

خط نستعلیق کے متعلق حافظ محمد یوسف سدیدی اور صوفی محمود سدیدی صاحب سے اکثر بات چیت رہتی تھی۔ کثرت محنت کی وجہ سے ان حضرات نے اپنے اپنے اسلوب میں جو انفرادی حسن پیدا کر لیا تھا' اس کا کسے اعتراف نہیں اور ان کی عہد آفریں عظمت سے بھی کسے انکار ہو سکتا ہے' لیکن میرا طریقہ یہ تھا کہ اچھے سے اچھے نستعلیق کو میں کئی مرتبہ دیکھا کرتا تھا اور ہر مرتبہ تا دیر دیکھتا رہتا تھا' پھر مجھے خیال آتا کہ یہ لفظ اگر یوں ہوتا تو بہتر ہوتا' وہ لفظ اگر یوں ہوتا تو کتنا اچھا لگتا' یوں اصلاح و ترمیم سوچتے میرے اندر ایک تنقیدی ملکہ پیدا ہو گیا' حضرت صوفی محمود سدیدی گواہ ہیں کہ میں نے کوئی چیز لکھوائی ہوتی تو جو سیٹنگ میں اپنے قلم سے دے بھیجتا' اکثر و بیشتر حضرت صوفی صاحب وہی سیٹنگ قبول فرماتے اور اسی طرح لکھ دیتے' حافظ صاحب میری سیٹنگ میں بعض مرتبہ ترمیم کرتے اور خوب کرتے' لیکن عام طور پر وہ بھی میری سیٹنگ قبول کر لیتے تھے' اسی طرح میری حوصلہ افزائی ہو جاتی اور مجھے نستعلیق کے بارے میں اپنے حسن نظر پر بھروسہ سا ہونے لگا اگرچہ یہ سب کچھ حافظ یوسف سدیدی اور صوفی محمود سدیدی صاحب کی خدمت میں چند گھڑیاں بیٹھنے ہی کا نتیجہ تھا۔

جمال ہمنشین درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

دسمبر ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ گڑھی شاہو لاہور میں' حافظ یوسف صاحب کے مکان پر' ان کے فرزند بہار مصطفیٰ کی پیدائش کی تقریب میں بہت سے مہمان جمع تھے کہ ایک دیوار پر ایک کیلنڈر دکھائی دیا' جس پر غالب کا یہ شعر لکھا تھا:

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانئے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

میں نے حافظ صاحب سے پوچھا ''یہ شعر کس کا لکھا ہوا ہے؟''

حافظ صاحب نے کہا ''کیا وجہ ہے؟''

میں نے کہا ''اس میں غضب کی کشش ہے اور قلم کی گرفت مضبوط اور زوردار اسلوب لفظی کی ترتیب' حروف کی کرسی' دائروں کی لطیف ساختیں' مدوں کی روانی' پیوندوں کی موزونیت اور نوک پلک کی تیزی حسن' نہ صرف ابھر رہا ہے' بلکہ اچھل اچھل رہا ہے''۔

حافظ صاحب نے کہا'' یہ نستعلیق کا استاد اجل اور عالم بے بدل ہے' میں جب اس کا لکھا ہوا دیکھتا ہوں اور حظ سے حیرت حسن کے مقام میں کھو جاتا ہوں' ایک نشہ سا مجھ پر چھا جاتا ہے' میر انیس کی شاعری میں سلاست اور فصاحت کا جو مقام ہے وہی کیفیت اس شخص کے زور قلم میں ہے اور اس کے لکھے ہوئے نستعلیق میں دریا کے مستانہ ٹھاٹ کی طرح' ایک بے تحاشہ فطری سلاست اور زوردار بہاؤ ہے۔ وہ نہ صرف سریع القلم اور نفیس القلم ہے' بلکہ بدیع القلم بھی ہے۔ میں نے کہا'' آپ میرے محسوسات کی مُو بمُو ترجمانی کرتے ہیں۔

میں یہ کہنے والا تھا کہ'' میں اپنے حسن خیال کی بنا پر نستعلیق میں ترمیم واصلاح کا جو نیا دائرہ لگاتا ہوں' یہ شخص اپنے بدیع اسلوب کی بنا پر بہت سے مقامات پر اس دائرے پر چل رہا ہے' گویا یہ شخص تخیل کا فاتح ہے اور یہی علامت نابغہ ہونے کی ہے کہ اس نے حقیقت موجود کو کھینچ تان کر یا مرکز سے حظِ محیط کو ہر نقطے سے چھو کر تمام امکانی عظمتوں اور رفعتوں کو تسخیر کر لیا ہے۔

حافظ صاحب نے کہا:'' بالکل ایسا ہی ہے اور اس شخص کے کلمات آئندہ زمانے میں آسمانی کواکب کی طرح جگمگ جگمگ فروزاں ہوں گے۔ ایک نادر قسم کی عظمت اور ایک جادوانی شہرت اس شخص کے قلم سے اپنی بیعت ارادت محکم واستوار کر چکی ہے' لوگ اس تجارتی دور کی عاجلانہ ضروریات کے تحت اس شخص کے جمال وکمال فن اور اس کے درخشندہ انداز کو ھنوز بخوبی تشخیص نہیں کر سکے' ورنہ یہ شخص وہ ہے کہ..... خط نستعلیق خود اس کے قلم سے منسوب ہو کر اپنے مقدر پر فخر و ناز کیا کرے گا'' میں نے کہا'' آخر! یہ شخص ہے کون؟''

حافظ صاحب نے کہا'' میں جلد ہی ملاقات کا انتظام کرادوں گا اور یہ ہیں شاہ صاحب'' میں نے پوچھا: ''شاہ صاحب کون سے؟'' میں نے کہا'' بہت خوب اتنے بلند انسان کو دیکھنے کی سعادت میں ضرور حاصل کروں گا''

چند روز بعد بیٹھک کاتباں میں' حضرت محمود سدیدی صاحب نے کچھ لوگوں کو بلایا' مجھے حافظ صاحب لے گئے' وہاں تھوڑی دیر کے بعد حضرت شاہ صاحب تشریف لائے' بہت مختصر سی ملاقات رہی' ایک اثر عظیم اپنی جامع الحیثیات اور متنوع الصفات شخصیت کا یادگار چھوڑ کر' حضرت شاہ صاحب جلد رخصت ہوئے۔

۱۹۶۲ء سے حضرت شاہ صاحب کے (خط) نستعلیق کو میں بہت شوق سے دیکھتا رہا ہوں اور اپنے ذہن ہی ذہن میں ان کے خط کو نمبر بھی دیتا رہا ہوں' بہت عام یہ اتفاق ہوا ہے کہ میرا ذہن انتہائی دقیق منہاج پر چل کر پر دیسی نستعلیق کو نفیس تر بنانے کیلئے جو چند تجویزیں بمشکل فراہم کرتا' شاہ صاحب کا خط بسہولت ہی حسن و جمال کی ان ہی

نادیدہ کیفیات کو حروف کے پیکروں میں چھلکا دیتا' بعض مقامات پر تو اعتراف ہے کہ شاہ صاحب کا خط میرے دائرہ خیال کو عبور کر کے نئی سرحدوں کی نشاندہی کرنے لگتا' ایسے مقامات پر میں شاہ صاحب کے خط کو نمبر دینے کی بجائے حیرت جمال کے نشے میں تادیر محظوظ ہوتا' ایک طرف اپنے خیال کی نارسائی' دوسری طرف شاہ صاحب کی بلاغت فکر! دونوں کے موازنہ سے لطف ولذت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا' نستعلیق کے بارے میں اکثر میں سوچا کرتا تھا کہ جس طرح ایک فن پارے کی سیٹنگ میرے ذہن میں ہے' ایسے شاید ہی کوئی لکھے گا! میرے اس پندار کو شکست شاہ صاحب کے قلم سے ہوئی (غلام نظام الدین فنکار سے ملئے' در پندرہ روز پیام' ص ۲۴' ۱۵ جون ۱۹۷۱ء)

شاہ صاحب کے لکھے ہوئی نستعلیق کے بہت سے نمونے دیکھ چکنے کے بعد' میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شاہ صاحب نستعلیق کے مجدد اعظم ہیں' ان کی سعی بلیغ اور فکر بلند نے پردیسی نستعلیق میں اصلاح وترمیم کی اتنی مہم چلائی ہے کہ اب ہم نستعلیق کو طرز نفیس سے نامزد کرنے پر مجبور ہیں' شاہ صاحب کی لکھی ہوئی تحریر ایک مکمل کاروان جمال اور جدت نگاہ ہے' جو ہے جہاں ہے وہیں حرف آخر ہے' جیسے دین کی تکمیل آنحضرت علیہ السلام پر ہوئی' اسی طرح نستعلیق کی تکمیل شاہ صاحب نے فرمادی' اب اس کے آگے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

ہمارے مخدوم نفیس رقم کے خط کی نفاستیں اور اس کی عمدگی کی جہات یا اس کے جلال و جمال کے پہلو ہر شخص پر' اس کی اپنی حیثیت اور اس کی ذہنی وقلبی استعداد کے مطابق کھلتے ہیں' راقم اس سلسلے میں اپنی بے بضاعتی کا پہلے بھی اعتراف کر چکا ہے' بایں ہمہ شاہ صاحب کے خط میں حسب ذیل خوبیاں میرے جیسے ایک عام قاری کو بھی نظر آئی ہیں:

۱۔ آپ کے کتابت کردہ قطعات میں فن ''خطاطی'' اپنی انتہائی بلندی پر پہنچا ہوا محسوس ہوتا ہے' کہ اس سے اوپر اس کے لے اڑنا شاید ممکن نہ ہو' فنی اور تکنیکی اعتبار سے آپ کا فن اس وقت ثریا کی بلندیوں پر پرواز کر رہا ہے۔

۲۔ آپ کے خط میں ایک شائستگی' ایک نفاست اور ایک حسن اعتدال وتوازن نظر آتا ہے جو آپ کے باکمال خطاط کی عکاسی کرتا ہے۔

۳۔ آپ کے خط حسب حال ہونے کی بنا پر' قاری میں حسب موقع خوشی یا رنج کے جذبات واحساسات پیدا کرتا ہے' جو آپ کی روحانی وذہنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار وابلاغ ہے۔

۴۔ آپ کی خطاطی اپنے قاری میں غیر محسوس اور ناشعوری طور پر مضمون کے مطابق اپنی تاثیر ظاہر کرتی ہے۔ (پیام.....۲۵ بعد)

شاہ صاحب کی خطاطی کے حسین شاہ پاروں پر مشتمل ایک مجموعہ محترم راشد صاحب نے کراچی سے شائع کر دیا ہے' اور آپ کے کچھ حسین مرقع برگ گل میں بھی شامل ہیں۔